اردو کی صوتی لغت: ایک جائزہ

سلیم شہزاد

232، منگل وار وارڈ، مالیگاؤں۔423203، مہاراشٹر، موبائل: 9890331137

’اردو کی صوتی لغت‘ کا نام سن کر یا پڑھ کر پہلا تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کوئی سمعی تکنیکی لغت ہے جس کی سی ڈی وغیرہ میں ریکارڈ کیا ہوا مواد کسی صوتالے کے ذریعے سنا جاسکتا ہے، جیسا کہ ڈینیل جونز کی ’انگلش پرونا ؤنسنگ ڈکشنری‘ (سترہواں ایڈیشن) کی آڈیو سی ڈی جس میں ڈکشنری کا صوتی مواد ریکارڈ ہے اور ہر لفظ کا تلفظ سنا جاسکتا ہے، لیکن ’اردو کی صوتی لغت‘ ایسی کوئی تکنیکی چیز ہرگز نہیں ہے۔ اس کا صوتی اختصاص صرف اتنا ہے کہ اندراجات میں دیے گئے لفظوں کا تلفظ انگریزی حروف کے متعینہ مخصوص صوتی خط میں بھی شامل کرلیا گیا ہے (اس صوتی خط پر آگے گفتگو کی جائے گی) پہلے تو یہی عرض ہے کہ یہ لغت اپنے چھپے ہوئے عنوان ہی سے بحث کا آغاز کردیتی ہے کہ مؤلف کے طے کردہ عنوان کے مطابق لفظ ’لغت‘ مؤنث ہے۔ عنوان کے حرف اضافت ’’کی‘‘ سے ’لغت‘ کی جنس واضح ہے، لیکن لغت میں اسی لفظ کے اندراج کے تحت (ص:۱۰۰۹) قواعدی زمرے میں اسے ’مذ‘ یعنی مذکر لکھا گیا ہے اس لیے اندراج کے مطابق لغت کا نام ’اردو کا صوتی لغت‘ ہونا چاہیے۔ یہ لفظ دونوں طرح مستعمل ہے، مگر اس لسانی خاصے کا تذکرہ اس کے مؤلف پروفیسر نصیر احمد خاں نے نہیں کیا جو ضروری تھا۔ اگر اس تالیف کا نام ’اردو صوتی لغت‘ ہوتا تو تذکیرو تانیث کی قدیم بحث سر نہ اٹھاتی، ویسے ’صوتی لغت‘ (Phonetic Dictionary) ایک مبہم تصور ہے۔

عنوان کی ذیلی وضاحت میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے:

الفاظ کے مآخذ، نحوی زمرے اور معنی ومطالب کے ساتھ قطع نظر اس سے کہ اس فقرے میں ’زمرے‘ کے بجائے ’زمروں‘ ہونا چاہیے، یہ فقرہ بتاتا ہے کہ زیر نظر لغت ہی کا یہ اختصاص ہے کہ اس میں الفاظ کے مآخذ کی نشان دہی کی گئی ہے (یعنی وہ دراصل کس زبان سے مستعار لیے گئے ہیں) ان کی قواعدی حیثیتیں بتائی گئیں (کہ وہ اسم، فعل، مذکر، مؤنث میں سے کیا ہیں) اور ان کے معانی ومطالب (وضاحتیں اور مترادفات وغیرہ) بھی لکھے گئے ہیں جب کہ ماضی میں شائع ہونے والے ہر چھوٹے بڑے اردو لغت میں یہ خواص پائے جاتے ہیں بلکہ لغت کا کام ہی یہ ہے کہ اوپر قوسین میں آئے ہوئے تکنیکی تقاضوں کو پورا کرے۔ مؤلف نے بہت سے لغات کے نام لے کر اعتراف کیا ہے کہ ان میں الفاظ کے ماخذ، لغوی زمرے اور معنی وغیرہ شامل کیے گئے ملتے ہیں۔ ’صوتی لغت‘ کے عنوان کی وضاحت کے تعلق سے یہ بھی عرض ہے کہ اس میں لفظ ’مآخذ‘ شامل ہی نہیں کیا گیا ہے۔ (مؤلف کہتے ہیں کہ جو الفاظ متروک ہیں، ان سے اس لغت میں صرف نظر کیا گیا ہے۔ گویا ’مآخذ‘ کو انھوں نے متروک لفظ سمجھ کر اسے اپنے لغت میں لیے جانے کے لائق نہیں سمجھا) لفظ ’نحوی‘ کے ایک معنی تو انھوں نے ضرور لکھے ہیں (ماہر علم نجوم: اور اسے ’علم نجوم کا ماہر‘ لکھنا چاہیے تھا) مگر اوپر کے وضاحتی فقرے میں ’نحوی‘ کے جو معنی ہیں (یعنی نحو سے متعلق) وہی نہیں لکھے۔ ترکیب ’نحوی زمرے‘ میں شامل ’زمرے‘ کے واحد اندراج ’زمرہ‘ کے معنی مؤلف نے ’فرہنگ آصفیہ‘ میں دیے گئے بہت سے معنوں سے منتخب کرلیے ہیں، لیکن ان میں صرف ایک مترادف جوڑی ’جماعت گروہ‘ کے سوا کوئی مترادف (جتھا، ساتھی، ہمراہی، بھیڑ، فوج) ’زمرے سے معنوی میل نہیں رکھتا نظر آتا مثلاً ہم ’یہ میرا ساتھی ہے‘ جملے میں ’ساتھی‘ کی جگہ زمرہ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح ’وہ میرا ہمراہی تھا‘ جملے میں ’ہمراہی‘ کو ’زمرہ‘ سے نہیں بدلا جاسکتا پھر اس لفظ سے ’بھیڑ/فوج‘ کا مترادف رشتہ تو بہت دور تک نظر نہیں آتا۔

’پیش گفتار‘ میں (ص:٦) مؤلف نے لکھا ہے:

ایک بڑی کمی اردو میں صوتی لغت کا نہ ہونا ہے

اس بات کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ صفت ’صوتی‘ سے مؤلف کی مراد ’تلفظ کرنے/بتانے والی/متلفظ/تلفیظی‘ سے ہے جبکہ لفظ ’صوتی‘ اور اس کے مفہوم ’تلفظ بتانے/کرنے والی‘ کے فقرے میں معنوی تلازم نہیں پایا جاتا اسی لیے اوپر کہا گیا ہے کہ ’صوتی لغت‘ ایک مبہم تصور ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے لغات میں مؤلفین نے مختلف طریقوں سے لغوی اندراجات کے تلفظات بتائے ضرور ہیں: کبھی ہجائی طریقے سے (طَ۔ ری۔ قے)، کبھی حروف کے اعراب کی وضاحت سے (اول مفتوح، دوم مکسور معروف طویل، سوم مکسور مجہول طویل)، کبھی لفظ پر اعراب لگا کر (طَرِیقے) اور کبھی لفظ میں شامل اصوات کی صوتی خصوصیات کی نشان دہی سے (طَ۔ رِ۔ ی۔ ق۔ ے) زیر نظر لغت میں الفاظ کا تلفظ بتانے کے لیے صوتی طریقہ اپنایا گیا ہے جس میں پہلے بنیادی اصوات کے لیے منفرد علامات کا تعین کیا جاتا ہے (ضروری ہو تو نئی علامات بھی وضع کی جاتی ہیں جیسا کہ مؤلف نے یہ عمل کیا بھی) پھر لفظ کی آوازوں کے متوازی مقررہ علامات کو رکھ کر ان کے تلفظ کا ایک مخصوص خاکہ تیار کیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ بہت پتّا ماری کا کام ہے اور اس میں ضروری ہوتا ہے کہ

تلفظ بتانے والی اصوات کی علامات کم سے کم ہوں اور جس زبان کے لفظوں کا تلفظ بتایا جارہا ہے، مقررہ علامات اس زبان کی تمام بنیادی اصوات کو بخوبی ظاہر کرسکتی ہوں۔

تلفظ نما لغت یا صوتی لغت مقررہ صوتی علامات کے استعمال سے کسی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں شامل ہر لفظ اور ضروری ہوتو ہر جزو لفظ کا تلفظ بتاتی ہے۔ اس میں زبان کی جغرافیائی حدود میں مستعمل ایک ہی لفظ کے مختلف تلفظات کی نشان دہی بھی لازماً کی جاتی ہے مثلاً اردو رق/صوتیہ شمالی ہند میں رق/رک/ر اور جنوبی ہند کے اکثر علاقوں میں رخ/صوتیے کی طرح ادا کیا جاتا ہے۔ زبان کی مستعار آوازیں اصل زبان کی آوازوں کی طرح تلفظ میں آتی ہیں یا مستعار لینے والی زبان کے فطری انداز مستعار لی گئی آوازوں کو متاثر کرتے ہیں مثلاً یہی رق۔ک۔خ/رک کی مثال اور بظاہر یکساں سنائی دینے والی آوازیں جیسے رذ۔ز۔ژ۔ض۔ظ/اور رث۔س۔ص/ر وغیرہ صوتیے جو عربی میں اپنی انفرادیت رکھتے ہیں، مگر اردو میں ان کے مخارج کی نوعیتوں کے فرق کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور رث۔ص/رکو رس/رکا ہم صوت مانا جاتا ہے۔ صوتی لغت ان مختلف صوتیوں کو تحریر میں تو عربی خط میں بتاتی ہے، مگر تلفظی علامات میں انھیں کسی واحد صوت کی نمائندگی کرنے والے مظہر کی طرح پیش کرتی ہے۔ اگر اردو صوتی لغت کی تلفظی علامات بین الاقوامی صوتی ابجد یا محض انگریزی ابجد سے بنائی گئی ہیں تو رذ۔ز۔ژ۔ض۔ظ/رصوتیے ان میں صرف ایک علامت /z/ سے تحریر کیے جاتے ہیں۔

لسانی جغرافیہ کسی زبان کے الفاظ کے مختلف تلفظات کو جانچنے اور ان کا ریکارڈ بنانے میں معاونت کرتا ہے۔ یہ شمالی اور جنوبی ہند کے فرق سے لے کر لکھنؤ، دہلی، حیدرآباد، بمبئی اور مدراس وغیرہ شہروں میں اردو لفظوں کے تلفظی اختلافات تک اور علما کی زبان سے جہلا کے استعمال زبان یا تلفظ کرنے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نکتے سے لفظوں کے نجی تلفظ کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔ تلفظ کے یہ سارے رنگ صوتی لغت میں شامل کیے جانے چاہئیں۔ زیر نظر لغت کے مؤلف نے دعویٰ تو کیا ہے:

تلفظات کا تعین کرتے وقت متعدد لغات کو پیش نظر رکھا ہے، قواعد کے حوالے دیے گئے ہیں، ماہرین ادب کی گفتگو اور تقریروں سے فیصلے کیے گئے ہیں اور ریڈیو، ٹیلی ویژن کی نشریات اور اساتذہ کے کلام سے بھی استفادہ کیا ہے۔''

صوتی لغت میں یقیناً ان افراد، اداروں اور لسانی مظاہر سے مدد لی جانی چاہیے اور تلفظ لکھتے ہوئے ان کا تذکرہ بھی کیا جانا چاہیے کہ فلاں لفظ کا عام تلفظ تو یہ ہے، مگر فلاں صاحب اسے اس طرح بولتے ہیں۔ انشاء اللہ خاں انشا نے اردو لسانیات کی بنیاد گزار کتاب 'دریائے لطافت' میں دہلی اور اطراف دہلی کے اہل اردو کے استعمال زبان کا ریکارڈ بھی اپنی تصنیف میں شامل کیا ہے۔ آج صوتی لغت میں ایسے ریکارڈ کی شمولیت ناگزیر ہے۔ اردو لسانی شعریات میں 'غلط العام' اور غلط العوام' کی دو اصطلاحات کا خوب چلن ہے۔ اردو کے گوناگوں تلفظات کے حوالے سے 'تلفظ نما اردو لغت' کے مؤلف ڈاکٹر عصمت جاوید نے اپنے لغت کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''آج کل اردو کے معیاری تلفظ کے سلسلے میں غلط العام اور غلط العوام کی اصطلاحیں مروج ہیں، لیکن انھیں غلط العام اور غلط العوام کہنا ہی غلط ہے کیونکہ بے شک مستند اردو تلفظ از روئے اصل ضرور غلط بھی ہوسکتا ہے، لیکن ہمیں صرف اردو کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اسے اردو کا مستند تلفظ کہنا چاہیے۔ غلط العوام کہنے کی بجائے اسے تحت معیاری Sub-standard تلفظ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ چونکہ اردو میں دیگر زبانوں کی طرح طبقاتی بولیاں بھی ہیں، جن میں معیاری تلفظ استعمال نہیں ہوتا اس لیے ان طبقاتی بولیوں کے الفاظ کو ملحوظ رکھنے کی خاطر لغات مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔''

'صوتی لغت' اور 'تلفظ نما' کے مؤلفین کے ان خیالات سے صوتی لغت کی ضرورت اور اس کے تکنیکی خاکے کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام لسانیات اور لغت نویسی کے شعبوں میں کس قدر اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔ یہی خاکہ بتاتا ہے کہ 'اردو کی صوتی لغت' واقعتاً تلفظ نما لغت نہیں ہے۔ اس میں عام لغات کی طرح الفاظ کے مآخذ، ان کی قواعدی شناختیں اور معانی و مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں، البتہ تلفظ نمائی کی یہ خصوصیت 'صوتی لغت' کو دوسرے لغات کی تلفظ نمائی کے طریقوں سے اس لحاظ سے ممتاز کرتی ہے کہ مؤلف نے اپنے لغت کے اندراجات کا تلفظ صوتی ابجد کی انگریزی علامات سے واضح کیا اور ایک حد تک اس میں لسانیات اور صوتیات کے اصولوں کی پابندی اختیار کی ہے۔ ان کا یہ تعمل کس مزاج و معیار کا ہے، لغت کے باریک بینی سے جائزے کے بعد ہی اس بات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

'تعارف' کے حصے میں اردو زبان کی تاریخی اور عصری صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مؤلف نے لسانیاتی/صوتیاتی اصول سے بحث کرتے ہوئے لغت میں استعمال کی جانے والی صوتی علامتوں کا تعارف کرایا ہے۔ اس ذیل میں دیا گیا اعضائے نطق کا خاکہ (ص:۱۳) نہایت غیر واضح ہے اور اس پر 'حروف صحیح' کا عنوان لگایا گیا ہے۔ 'حروف علت' کا خاکہ مزید غیر واضح ہے۔ اس کے بعد پھر حروف صحیح کے عنوان سے اردو اصوات کا تلفظ بتانے والی اٹھائیس علامات دی گئی ہیں جب کہ اردو کی منفرد آوازوں کا مؤلف کا دیا ہوا خاکہ بتاتا ہے کہ یہ اکتالیس آوازیں ہیں (عربی، فارسی، ہندی رغنائی، منفوس وغیرہ) گویا اٹھائیس علامات سے اکتالیس آوازوں کا اظہار کیا ہے۔ یہ کمی بیشی اس لیے واقع ہوئی کہ مؤلف را۔ع/ر/ت۔ط/ر/ث۔س۔ص/ر/ذ۔ز۔ض۔ظ/ر کے انفرادی صوتی اختلاف کو نہیں مانتے (البتہ رز/رکو انھوں نے ایک انفرادی صوت کا درجہ دے دیا ہے جو غلط ہے۔ اس آواز کو بھی رذ۔ز/ر وغیرہ میں شامل کرنا چاہیے تھا) اسی طرح رگ۔غ/رکو دو مختلف صوتیے بتا کر ان کے لیے دو

علامتیں /G-g/ مقرر کی ہیں جبکہ /ث۔س۔ص/ کی طرح /غ۔گ/ کی آوازیں بھی ملتی جلتی ہیں اور دونوں کے لیے کوئی ایک علامت کافی ہوتی (آپ نے ’غالب‘ کو گالب تو سنا ہی ہوگا) اس طرح مؤلف کی منتخبہ علامات میں ایک علامت کم ہوجاتی: واضح رہے کہ یہ باتیں مؤلف کی حمایت میں نہیں لکھی جارہی ہیں۔ کہنا مقصود یہ ہے کہ اگر /غ۔گ/ دو منفرد آوازیں (یعنی صوتیے) ہیں تو /ث۔س۔ص/ وغیرہ کو بھی انفرادی صوتیوں کی طرح قبول کیا جانا چاہیے تھا۔

مؤلف نے اردو صوتی علامات کے لیے انگریزی کے بڑے اور چھوٹے حروف کو متبادل بنایا ہے (سوائے ایک آواز /ع/ کے لیے) یہ دراصل بین الاقوامی صوتی ابجد کی تقلید ہے جس کی علامات دنیا بھر کے لسانی صوتیوں کو انفرادیت کے ساتھ تلفظ کرتی ہیں۔ مؤلف نے بعض علامات کے لیے مذکورہ ابجد سے اختلاف بھی کیا ہے (جو کیا جاسکتا ہے) مثلاً خالص ہندی آوازوں کے لیے یہاں بڑے (کیپٹل) حروف متعین کیے گئے: ٹ T، ڈ D، ڑ R، مگر /غ/ اور /ژ/ کے لیے مؤلف نے /Z,G/ کی علامات رکھی ہیں (اگر آپ کا اصول خالص ہندی اصوات کے لیے بڑے انگریزی حروف رکھنے کا مجاز ہے تو /غ۔ژ/ کے لیے /Z,G/ کیوں؟) ص:۱۸ پر لکھتے ہیں:

کوزی آوازوں (ٹ۔ڈ۔ڑ) کی ہاکاری شکلوں (ٹھ۔ڈھ۔ڑھ) کو R,D,T, اور Rh,Dh,Th سے ظاہر کیا ہے۔

تو /ج۔ش/ صوتیوں کو چھوٹے حروف (h) کے ساتھ کیوں شامل کیا ہے (sh-ch) /چ/ کے لیے چھوٹی c کافی ہوتی اور /ش/ کو ظاہر کرنے کے لیے بین الاقوامی ابجد کی علامت رکھی جاتی یا ss سے کام لیا جاسکتا تھا۔ ایسا کرنے سے /ح۔ہ/ کی علامت /h/ سے ان کی مشابہت نہ ہونے پاتی۔ پندرہ ہاکاری (ہکاری) اصوات کو الگ سے یہاں متعارف بھی نہیں کرایا گیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان کا تذکرہ آیا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا، مؤلف نے بنیادی اردو آوازوں کے خاکے میں اکتالیس آوازوں کا تعارف شامل کیا ہے:

(پ) غیر مسموع، غیر ہاکاری، دولبی، بندشی (بھ) غیر مسموع، ہاکاری، دولبی، بندشی (ت) غیر مسموع، غیر ہاکاری، دندانی، بندشی (تھ) غیر مسموع، ہاکاری، دندانی، بندشی

وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح قوسین میں یہاں مؤلف کے مطابق تمام حروف صحیح کا خاکہ دیا گیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ان حروف کو (یہ دراصل صوتیے ہیں، حروف قطعی نہیں) قوسین میں کیوں لکھا گیا ہے؟ راقم الحروف ایسا کوئی خاکہ بناتا تو وہ ان صوتیوں کو دو ترچھے خطوط کے بیچ لکھتا کیونکہ منفرد آوازوں یا صوتیوں کو اسی طرح لکھنے کا اصول ہے: /پ۔پھ/، /ت، تھ/ وغیرہ۔

چونکہ مؤلف /ح۔ع/ کو اردو صوتیے نہیں مانتے اس لیے یہ آوازیں دی گئی فہرست میں نہیں پائی جاتیں۔ /ع/ کو بھی وہ الف کی آواز /اَ/ سے مشابہ کہتے ہیں (اسے منفرد صوت نہیں مانتے) مگر اس کے لیے انھوں نے سوالیہ نشان کی علامت مقرر کی ہے۔ عرض ہے کہ یہ ایک حنجری آواز ہے اور مؤلف کی علامت میں اسے ظاہر بھی کیا جاتا ہے، مگر اس نشان کے نیچے نقطہ نہیں ہوتا اور یہ اردو سوالیہ نشان کی طرح ہوتی ہے، انگریزی کی طرح نہیں۔ اگر /ع/ اردو آواز نہیں (یا یہ /ا/ کا ذیلی صوتیہ ہے) تو مؤلف نے اس علامت سے شروع ہونے والے انیس صفحات کے باب کو لغت میں شامل کیوں کیا؟ (وہ الفاظ الگ ہیں جن میں /ع/ درمیان یا آخر میں آتی ہے) صوتی لغت کے اصول کے مطابق انھیں الف کے باب میں شامل کرنا چاہیے تھا۔

مصوتوں کے علامتی تعارف میں بھی خلفشار دکھائی دیتا ہے مثلاً /ا/ کے لیے /aa/ علامت دی گئی جو دراصل /آ/ کے لیے ہونا چاہیے (یہاں ممکن ہے کہ پروف کی اصلاح نہ کی گئی ہو اور /آ/ کی جگہ /ا/ رہ گیا ہو، مگر اس سے جو غلطی قارئین یا لغت بین کے ذہن میں پیدا ہوگی، وہ لا علاج ہوگی۔ /اَے/ (جیسے لفظ ’شئے‘ میں) کو /ئے/ سے ظاہر کیا ہے، یہ بھی غلط ہے اسی لیے /اَو/ کو صرف واو پر زبر سے ظاہر کردیا ہے: /وَ/ au/۔ اس میں بھی واو سے پہلے الف لکھنا چاہیے تھا کیونکہ زبر کے لیے مؤلف نے ’a‘ علامت دی ہے۔ گویا /au/ کا /وَ/ ’کون‘ کا /اَو/ نہیں ہے۔ تین مختلف مصوتوں (اؤ۔او۔اَو) کے لیے صرف ایک علامت /و/ دی گئی ہے جو تین مختلف آوازیں ادا نہیں کرسکتی (مثال میں لفظ ’اولاد‘ دیا ہے جس کے واو پر زبر ہے۔ اس طرح واو مفتوح متحرک ہوگیا ہے جبکہ دیے گئے مثال کے لفظ میں واو ساکن ہوتا ہے۔ /w-v/ پر بھی دو باتیں عرض ہیں: مؤلف نے حرف صحیح /و/ کے لیے /v/ اور واو معدولہ (جیسے ’خواب‘ میں واو) کے لیے /w/ کی علامت طے کی ہیں۔ انھوں نے ’خواب‘ کا تلفظ Kwaab لکھا ہے جبکہ اس لفظ میں واو کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔ البتہ غیر معیاری تلفظ میں یہ آواز سنی جاتی ہے جسے مؤلف نے معیاری مان لیا ہے۔ اسی طرح ’خیال‘ کا تلفظ ان کے مطابق Kyaal ہے۔ اسے بھی معیاری نہیں مانا جاتا۔ پرانی شاعری میں ممکن ہے، اس تلفظ کی مثالیں ملتی ہوں، لیکن ’خیال میں اول مفتوح (خ پر زبر) کے ثبوت زیادہ ملتے ہیں۔ اس لفظ میں /ی/ مؤلف کے مطابق حرف صحیح ضرور ہے، لیکن بتائے گئے تلفظ کے مطابق یائے معدولہ ہرگز نہیں۔

’اندراج کے ہجے‘ (ص:۲۳) پر ہجے کی مثالوں میں ’رحمٰن/ رحمان، اعلیٰ/ اعلا، غنڈہ/ گنڈہ‘ الفاظ دیے گئے ہیں۔ ان لفظوں میں املا کا فرق پایا جاتا ہے۔ ’غندہ/ گنڈہ‘ دو املا میں ایک ہی مفہوم کے الفاظ ہیں۔ مؤلف نے ’آزمائش/ آسائش‘ میں ہمزے کا استعمال کیا ہے (اور صحیح کیا ہے) تو ’رائج/ رائیگاں‘ کو ’رایج/ رایگاں‘ کیوں لکھا؟ ان لفظوں کے تلفظ میں ی کو مکسور بھی کردیا ہے یعنی اس کے نیچے زیر لگادیا ہے جو غلط در غلط کی مثال ہے۔

’مزید وضاحتیں‘ کے تحت چند علامات دی ہیں۔ ان میں < کو مصمتی خوشے (جیسے ’خواب/ پیار‘ میں پہلے دو حروف اور رفت/ ہست‘ میں دوسرے دو) کے دوسرے جز کی آواز کی شناخت کہا ہے۔ یہ دراصل جزم ہونا چاہیے، لیکن ’جناب، مرد، دوسرا‘ میں ب۔د۔س پر جزم یا < کا نشان لگانا غیر ضروری ہے۔ اسی طرح ^ کا نشان جو یائے معدولہ (جیسے ’پیاس‘ میں ی) کی نشان دہی کرتا

ہے، اسے 'خواب' اور 'تمیں' پر بھی بنادیا ہے جبکہ 'خواب' میں واو معدولہ ہے جسے مؤلف ملفوظی بتاتے ہیں۔ یہ مکتوبی حرف ہے، اس کا تلفظ نہیں کیا جاتا، 'قیاس' (ق مفتوح، یائے متحرک بہ الف) پر بھی ^ کا نشان لگا کر اس لفظ کے یائے متحرک کو یائے معدولہ بنادیا ہے (جیسے 'پیاز' میں ی) یہ بھی صحیح نہیں۔ 'تمیں' (۳۰) کی مثال بھی غیر ضروری اور غلط ہے۔ لفظ 'آواز' میں الف ممدودہ سے انکار نہیں مگر مؤلف کی دوسری مثال 'دلاوز' میں الف ممدودہ بتانا لغت بین کو غلط راستے پر ڈالنے کے مترادف ہے۔ 'دلاوز' میں 'آ' سنائی ضرور دیتا ہے، لیکن یہ ل متحرک بہ الف ہے۔

'پیش گفتار' میں مؤلف نے اعتراف کیا ہے:

''زیر نظر لغت کے اندراجات کے لیے 'فرہنگ آصفیہ' کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ متروک الفاظ کی چھٹائی کر کے ان نئے الفاظ اور مرکبات کو شامل کیا گیا ہے جو عام بول چال کے علاوہ آج ادبی و سماجی زندگی میں رواج پاگئے ہیں۔''

لغت میں 'آ' کے لفظ بہ لفظ اندراجات کے جائزے سے یہاں دیکھنا مقصود ہے کہ مؤلف نے اپنی کہی ہوئی بات کا کتنا پاس رکھا ہے۔

لغت کے عنوان کے تحت مؤلف نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس میں الفاظ کے ماٰخذ اور ان کے نحوی زمرے وغیرہ بتائے گئے ہیں چنانچہ لغت کے ابتدائی اندراج 'آب' کی قواعدی شناخت 'مذ' یعنی مذکر بتائی گئی ہے اور اس لفظ کے معنی میں پانی، تلوار وغیرہ کا جوہر، عرق، پھلوں کا رس، رونق، چمک، عزت، تازگی کے مترادفات دیے گئے ہیں۔ ان میں پانی/عرق/رس تو مذکر ہیں، لیکن باقی الفاظ مؤنث۔ لغت بین کو ان ملے جلے مترادفات کا جنسی فرق کیسے معلوم ہوگا؟ مؤلف نے تو مذکر مؤنث دونوں کو ایک عنوان کے تحت درج کر دیا ہے۔ 'عرق/پھلوں کا رس' میں معنوی تفریق بتانا بھی الجھن پیدا کرسکتا ہے۔ 'پھلوں کا عرق' کہیں تو کیا وہ مؤلف کے رس سے مختلف ہوگا؟ اور کیا 'آم کے رس' کو 'آم کا عرق' کہہ سکتے ہیں؟ اگر نہیں کہہ سکتے تو بتائے گئے معنی حشو محض ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہوتا کہ جنسی فرق کے ساتھ 'آب' مذکر اور 'آب' مؤنث کی فہرستیں الگ الگ دی جاتیں۔

آب آہن، آب آہن تاب، آبِ ارغوانی، آب انبار، آب اندام،
آب انگور، آب باز، آب باشی، آب بستہ۔

درج بالا تراکیب 'فرہنگ آصفیہ' میں نہیں پائی جاتیں، انھیں مؤلف نے اضافہ کیا ہے۔ چونکہ یہ ترکیبیں عام استعمال سے قطعی تعلق نہیں رکھتیں اس لیے یہ کہنا آج ادبی و سماجی زندگی میں رواج پانے والے الفاظ اس لغت میں بڑھائے گئے ہیں، غلط ہے۔ پھر ان کے تلفظ اور معنی وغیرہ بھی خاصے محل نظر ہیں مثلاً 'آب آہن' (ب مکسور) کے معنی 'لوہے کی چمک' تو ٹھیک لگتے ہیں، لیکن 'لوہے کا قفل' اس ترکیب کے معنی نہیں ہوسکتے (آہن بمعنی لوہا صحیح ہے، لیکن آب بمعنی قفل کو ماورائے حقیقی یا من مانے معنی کہنا پڑے گا، اسی کو کہتے ہیں دن کو رات کہنا) اسی طرح 'آب انبار' (ب مکسور) کے معنی 'پانی کا ذخیرہ' غلط ہیں۔ یہ اگر اضافی ترکیب ہے (اور یقیناً ہے) تو اس کے معنی 'انبار کا پانی' ہوں گے جو لغو ہیں۔ 'پانی کا ذخیرہ' کہنے کے لیے اس کا ترجمہ 'انبارِ آب' کرنا پڑے گا مگر 'آب کے انبار' کا مضاف مضحکہ خیز ہوگا۔ 'آب اندام' کے معنی بھی عجیب ہیں یعنی 'نازک بدن/نازنین' اس ترکیب کے اندراج میں ب مکسور تو نہیں ہے لیکن تلفظ aa-be-am-daam بتایا گیا ہے۔ اضافی ترکیب کی صورت میں اس کے معنی 'اندام کا پانی' ہوں گے جو مؤلف کے معنوں کے ساتھ ذم کا پہلو ماریں گے۔ اندراج 'آب باز' (ب مکسور) معنی سے میل نہیں کھاتا (پانی سے کھیلنے والا) اسے بغیر اضافت تلفظ کرنا چاہیے جیسا کہ مؤلف نے نہیں کیا اور aa-be-baz اس کا تلفظ بتایا ہے۔ ترکیب 'آب بستہ' جس کا تلفظ بھی زیر اضافت کے بغیر دیا گیا ہے، زیر اضافت چاہتی ہے۔

آب بنی، آب پاش، آب پشت، آب پیکاں، آب پیاں

مؤلف کے اضافے ہیں۔ 'آب بنی' کو اضافت نہیں دی ہے بمعنی 'ناک کی رطوبت' اور یہاں زیر لگانا چاہیے تھا۔ ویسے یہ ترکیب قطعی غیر ضروری ہے کہ اس کا اندراج کیا جاتا۔

مؤلف نے لکھا تو ہے کہ لغت کے اندراجات کا تلفظ بتاتے ہوئے فلاں اور فلاں اور فلاں سے استفادہ کیا گیا ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ مذکورہ بالا تراکیب کا اردو میں استعمال کب، کہاں اور کس نے کیا۔ 'آبِ پیاں' بمعنی ایک آلہ جس سے مائعات (لغت میں 'ماکحات' غلط لکھ دیا ہے) کی کثافتِ اضافی (ان دونوں لفظوں کے بیچ وقفہ بھی زائد ہے) کا اندازہ کیا جاتا ہے، وغیرہ میں زیر اضافت اور نون غنہ غلط لگے ہیں۔ اسی طرح 'آب تاب' کا تلفظ aa-be-taab بھی غلط بتایا ہے۔ یہی حال 'آب جو' کا بھی ہے۔ 'آب چشم، آب حرام، آب حیات، آب خجالت' جیسی ترکیبیں عام زبان سے زیادہ شاعری کی زبان سے تعلق رکھتی ہیں۔ 'آب خورد' (بمعنی قسمت/نصیب/بھاگ) اور 'آب داں' (بمعنی تالاب/حوض/پانی کا برتن) نامانوس/غیر مستعمل ترکیبیں ہیں۔ 'آب دانہ' (بمعنی دانہ پانی/روزی/رزق) بغیر واو عطف کے غلط ہے۔ 'منہ کا لعاب/کلی کا پانی' کو 'آب دہن' کوئی نہیں کہتا۔ اسی طرح 'آبِ دیدۂ' (آنسو/اشک) شعری ترکیب ہے اور 'آبدیدہ' (جسے آب دیدہ لکھا ہے) یعنی رونے والا، دونوں کا تلفظ ایک ہی بتایا ہے جب کہ پہلی ترکیب اضافی ہے۔ 'آب زمزم' کے معنی 'متبرک پانی' ہرگز نہیں، ہاں آب زمزم متبرک ضرور ہے۔ 'آب گہر' کا تلفظ aa-be-gohar بتایا گیا ہے یعنی گہر جس میں گ مکسور مجہول مختصر ہے، اسے طویل بتایا ہے جیسے لفظ 'سوچ' میں واو کی طوالت۔ دراصل /او مکسور مجہول مختصر کے لیے مؤلف نے کوئی علامت مقرر ہی نہیں کی ہے جب کہ سب جانتے ہیں کہ 'گہر/گول' میں گ/گو کی مصوتی طوالت کم و بیش ہے۔ 'آبِ مروق/آب مصاف' غیر مانوس/غیر مستعمل ترکیبیں ہیں۔

آب وتاب، آب وخورش، آب ودانہ، آب ورنگ، آب وگل، آب ونمک، آب وہوا

سب مرکبات میں 'او' کا تلفظ طویل مکسور مجہول بتایا ہے (گول کے واو کی طرح) جبکہ یہ ہمیشہ مختصر ادا کیا جاتا ہے۔ (ضرورتِ شعری کی بات اور ہے) 'آبیانہ' غیر مانوس/غیر مستعمل ہے۔ لفظ 'آبنوس' کا علامتی تلفظ نہیں بتایا گیا ہے۔ (قیاس ہے کہ مؤلف اسے بھی 'آبِنوس' /aa-be-nuus بتاتے)

حرف علت یعنی مصوتے کے طور پر زیر اضافت کے تعلق سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اردو میں یہ صوت مجہول مختصر ہے (مصوتوں کی صوتی تفصیل بتاتے ہوئے مؤلف نے اس کی مثال نہیں دی ہے)، لیکن 'آبروریزی' میں لاحقے 'ریزی' کے پہلے صرفیے کا مصوتہ بھی اسی زیر اضافت کے مصوتے کی علامت (e) سے ظاہر کیا گیا ہے گویا مؤلف کے لیے 'آب حیات' کے زیر اضافت اور 'ریزی' کی پہلی 'ے' کا تلفظ یکساں صوتی طول کا حامل ہے۔ تلفظ بتاتے ہوئے مفرد مصوتوں کے صوتی طول کے فرق کا خیال رکھا جانا ضروری تھا۔

لفظ 'آتش' میں ت کو مکسور معروف مختصر (ت کے نیچے زیر) اور مفتوح (ت پر زبر) دو طرح تلفظ کیا جاتا ہے۔ مؤلف نے اندراج میں یہ لفظ دو بار لکھا تو ضرور ہے، لیکن تلفظ ایک ہی ت مکسور سے بتایا ہے۔ 'آٹھ پہر' میں 'پہر' کا تلفظ 'پے ہر' (pe-har) بتایا ہے جبکہ یہ 'پَ۔ ہر' (pa-har) یا 'پَ۔ ہرِ' (pa-her) ہے۔ 'آٹھویں' میں ی پر زبر لگا دیا ہے جو غلط ہے۔ اس مصوتے کے لیے مؤلف نے کوئی مخصوص علامت نہیں بنائی (البتہ اسے e سے ظاہر کر سکتے تھے طوالت سے قطع نظر (aa-Thven) مؤلف کے تلفظ میں دوسرا صرفیہ Vain بھی غلط مصوتے کو ظاہر کرتا ہے (جسے انھوں نے یائے معروف کے ساتھ لکھا ہے یعنی غلط در غلط)

'آثار شریف/آثار صنادید/آثار قیامت' میں 'آثار' کے نیچے زیر لگانا چاہیے تھا۔ ان ترکیبوں کے تلفظ میں بھی r کے بعد e ہونا چاہیے تھا۔ 'آچار' بنانے کی ترکیب تو مؤلف نے بتائی ہے، لیکن اس چیز کے لیے کہنا کہ کھانے کے کام آتا ہے، دل لگی ہے۔ چھینکنے کی آواز 'آچھیں' نہیں 'آنچ چھیں' ہے۔ 'آخر الامر' میں میم پر زبر سے تلفظ کیا ہے جو غلط ہے، یہاں میم ساکن ہے۔ 'آخر الذکر' میں 'آخر' کے تعلق سے (بفتح ثانی) تو صحیح لکھا ہے، مگر خ کے نیچے زیر لگا دیا ہے اور تلفظ میں اسے e سے بتایا ہے، اس طرح دونوں تلفظ غلط ہو گئے ہیں۔ لفظ 'آخوند' کا تلفظ aaKvand بتایا ہے (آخ۔ وَند) پھر قوسین میں دوسرا تلفظ (آخُند) بھی لکھا ہے، معلوم نہیں دونوں میں وہ کسے صحیح بتا رہے ہیں۔ 'آدر' خالص ہندی لفظ ہے، اردو میں اس کا استعمال نہیں ہوتا ('بڑی عزت سے بٹھایا' کہتے /لکھتے ہیں، 'بڑے آدر سے بٹھایا' نہیں کہا/لکھا جاتا) لفظ 'آدرش' البتہ اردو میں کبھی کبھی استعمال ہو جاتا ہے۔ 'آدم' کے معنی میں لکھا ہے: پہلا پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام' یہاں 'پہلا' کی جگہ 'پہلے' لکھنا چاہیے تھا تا کہ اگلے فقرے کا احترام صحیح ہوتا ورنہ دیے گئے معنی جاہلانہ ہیں۔ 'آدم ثانی' کے معنی کی وضاحت بھی لسانی طور پر محل نظر ہے:

آپ کے زمانے میں طوفان سے تمام دنیا تباہ ہو گئی تھی اور از سر نو نسلیں چلیں۔

اس جملے کے پہلے حصے کے بعد بہت کچھ کہنا چھوٹ گیا ہے۔ 'آدر' کی طرح 'آدھین' بھی غیر ضروری اندراج ہے۔ 'آر پار' کے معنوں میں وضاحت کی ہے کہ 'دار پار' فصیح ہے، لیکن 'دار پار' کوئی لسانی تعمل نہیں۔ 'آرٹیکل' میں ٹ کا مصوتہ یائے معروف طویل نہیں (آر۔ٹی۔کل) مختصر ہے یعنی 'آر۔ٹِ۔ کل' چاہے اسے مع یائے لکھا جاتا ہو۔ 'آرمیدہ' کے معنی 'آرام کیا ہوا' نہیں، 'آرام کرنے والا/آرام کرتا ہوا' ہیں۔ 'آرے' کلمۂ ایجاب بمعنی 'ہاں' کے طور پر متروک ہے۔ اب یہ لفظ شاعری میں بھی استعمال نہیں کیا جاتا۔ 'آریہ' کے معنوں میں ایک لفظ 'یوروپ' لکھ دیا ہے، اردو میں یورپ کہتے ہیں۔ اسی طرح 'آریہ' کو اگلے اندراج میں 'آریا' لکھا ہے (آریہ سماج) دونوں املا میں کون سا درست ہے؟ 'آڑا' کے معنی 'ٹیڑھا ترچھا' ہرگز نہیں ہوتے۔ اسی طرح 'آڑی' بھی 'ٹیڑھی ترچھی' نہیں ہوتی۔ 'آزاد کا سونٹا' میں س پر زبر لگا دیا ہے جب کہ یہ مضموم مجہول طویل مصوتہ ہے: sauNTaa نہیں soNTaa۔ 'آزادہ' ہر معنی میں غیر مستعمل اور نامانوس ہے۔ 'آزادہ' اور 'آزادگی' مترادف بھی نہیں۔ پہلا لفظ صفت اور دوسرا اسم ہے ان میں ترادف کیسا؟ 'آس' کے معنی 'بال بچے' ضرور ہو سکتے ہیں، لیکن یہ لفظ ان معنوں میں اکیلا استعمال نہیں کیا جاتا، آس اولاد' کی ترکیب میں آتا ہے اور بولی سے مخصوص ہے۔ 'آستائی' بمعنی راگ کا ابتدائی حصہ کو 'استحصائی' بھی لکھ جو غلط ہے۔ لفظ 'آستیں' میں نون غنہ نہیں چاہیے، یہ نون اصلی ہے (آستین) 'آسمانی زبان' کے معنی لکھے ہیں:

مسلمانوں کے نزدیک عربی اور ہندوؤں کے نزدیک سنسکرت کیونکہ ان زبانوں میں ان کی مقدس کتابیں ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف عربی اور سنسکرت آسمانی زبانیں ہیں؟ یہودیوں اور عیسائیوں اور پارسیوں وغیرہ کی آسمانی زبانوں کا کیا ہوگا؟ یہ اندراج محض مذاق ہے اور مؤلف کی کج فہمی کی غمازی کرتا ہے۔

'آشرم' مؤلف کا اضافہ ہے جس کے دیے گئے تمام معنی (مکان، رہنے کی جگہ، جھونپڑی، درس گاہ، پناہ گاہ، برہمن زندگی کا ایک حصہ) غلط ہیں۔ یہ لفظ ایک ہندو اصطلاح ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی ہی دینے چاہیے تھے۔ یہ دراصل سناتن ہندو طریق زندگی کے مراحل بتانے والا لفظ ہے: برہمچریہ آشرم، گرہست آشرم، سنیاس آشرم وغیرہ۔

مؤلف کا خیال ہے کہ لفظ کے آخر میں آنے والا 'آ' صرفیہ (جزو لفظی) پوری طرح 'آ' نہیں ادا کیا جاتا مثلاً مصادر میں علامت مصدری 'نا'۔ اسی لیے ایسے لفظوں کے تلفظ میں وہ aa علامت کے تعین کے باوجود صرف a لکھ کر کام چلاتے ہیں یعنی 'آنا' (aa-na) جو دراصل aa-naa ہونا چاہیے۔ 'آشنا' کو بھی aash-na بتاتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ 'آشنا' میں 'نا' پوری طوالت سے ادا

کیا جاتا ہے۔شاعری میں بھی یہ الف ساقط یا مختصر نہیں کیا جاتا۔مؤلف نے غیر مانوس رغیر مستعمل لفظ 'آغشتہ' تو اضافہ کر دیا ہے،لیکن ایک عام ترین لفظ 'آغوش' کو لغت میں شامل نہیں کیا۔'آفت کی پڑیا ر پوٹ' کا اندراج ،معلوم نہیں کیوں، دوبار کر دیا گیا ہے۔پہلی مرتبہ اس کے معنی 'آفت کا ٹکڑا،شریر، فتنہ پرداز' لکھے ہیں پھر شریر کو 'نہایت شریر' کر دیا اور 'عیار رچالاک' الفاظ بڑھا دیے ہیں۔'آفتابی دائرہ' کے معنی 'گول دائرہ' لکھے ہیں جبکہ دائرہ گول ہی ہوتا ہے۔'آصفیہ' میں البتہ اس کے معنی نہایت واضح ہیں:

''خوش نویسوں کی اصطلاح میں دو قسم کے دائرے ہیں،ایک آفتابی، دوسرا بیضوی۔اول قسم کے دائرے کا رواج کا تبان لکھنؤ اور بیضوی کا خوش نویسانِ پنجاب میں ہے۔''

اس وضاحت کے بغیر آفتابی دائرہ یعنی گول دائرہ بیکار محض ہے۔

'آگ ببولا' کے لیے لکھا ہے: 'دیکھیے آگ بگولا جو زیادہ مشہور ہے،لیکن حوالے کا یہ مرکب اندراج میں شامل ہی نہیں کیا گیا ہے (شاید زیادہ مشہور ہے اس لیے) 'آگے سے' کا تلفظ aa-gai-sai دیا ہے یعنی 'آگے سَے' (بمعنی شروع سے)لیکن یہ تلفظ نامانوس رمجہول ہے۔'آگین' (aa-giin) کوئی لفظ نہیں ہے۔'آگیں' ایک لاحقہ ہے جس کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں:

''اسم کے بعد آکر اسے صفت بنا دیتا ہے اور پھر ہوا کے معنی دیتا ہے۔''

یہ آخری جملہ بے معنی ہے (مثال دی ہے 'خلوص آگیں' کی) لفظ 'آل' کا چار مرتبہ اندراج کیا ہے۔ان میں دو کے معنی 'بیٹا، بیٹی، اولاد، نسل، خاندان' لکھے ہیں۔آخری 'آل' میں 'اخلاف' بڑھا دیا ہے، یہ تکرار فضول ہے۔'آلِ رسول، آلِ عبا، آلاتِ حرب' کی وضاحت 'مرکب اضافی بہ اضافت فارسی' لکھ کر بھی کی ہے حالانکہ ان مرکبات سے پہلے ایسے ہی متعدد فارسی مرکبات گزر چکے ہیں، لیکن ان کے متعلق مؤلف نے ایسی کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ 'آزمائش رآسائش' وغیرہ لفظوں کو تو ہمزے سے لکھا گیا ہے مگر 'آلائش' میں ہمزے کی جگہ ی کو دے دی ہے (آلایش)اور تلفظ میں بھی ی کو بالکسر لکھا ہے۔'اچھور' کو 'آچھور' لکھا ہے (اسی طرح 'اچار' کو 'آچار') مؤلف کو لکھنا چاہیے تھا کہ یہ اردو کے کس علاقے کا تلفظ ہے (تلفظ نما لغت کا ایک مقصد یہ بھی ہے، مگر مؤلف نے اس پر بالکل توجہ نہیں دی ہے) 'آن' کے کئی معنی لکھے ہیں۔ایک معنی 'آ بطور سابقہ استعمال ہوتا ہے' بھی دیے ہیں اگرچہ یہ استعمال متروک ہے۔لفظ 'آنت' میں نون غنہ ہے (آنکھ کی طرح) جس کا تلفظ نون ساکن سے کیا ہے جو غلط ہے۔انگریزی لفظ 'آنریبل' (جس کا اندراج غیر ضروری ہے) کا تلفظ 'آنرے بل' دیا ہے۔'آنریری' بھی 'رے ری' کے تلفظ کے ساتھ غلط اور غیر ضروری ہے۔'آنکس' میں ک پر زبر نہیں، پیش آتا ہے۔(یہ لفظ 'انکُش' سے بنا ہے) 'آنکھوں' میں کھ پر زبر لگا کر اس تلفظ کو عجوبہ کر دیا ہے۔یہی حال 'آنکھیں' کا ہے۔دونوں لفظوں میں واو اور یے مجہول مفرد مصوتے ہیں۔مؤلف کا بتایا ہوا تلفظ بھی کہیں ہوتا ہو تو علاقائی فرق کی نشاندہی ضروری تھی۔'آنند رآنندی' غیر ضروری اضافے ہیں۔'آؤ' کے ہر اندراج میں واو پر کا نشان لگا دیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔'آواز صور' کی وضاحت میں زبان کی غلطی ہے (اس صور کی آواز جو حضرت اسرافیل بحکم خدا صور پھونکیں گے) 'آوازہ' کے معنی 'کسی چیز سے آواز پیدا ہونا' میں ابہام ربے معنویت ہے۔'آصفیہ' میں اس لفظ کے معنی 'غلغلہ،شہرہ، افواہ،شہرت، دھوم، ناموری' لکھے ہیں اور غلط نہیں ہیں۔انگریزی لفظ 'آئل' کا تلفظ 'آ۔اِل' لکھا ہے جو غلط ہے کیونکہ یہ لفظ دو صرفیوں سے نہیں بنا ہے۔پورا لفظ ایک ہی صرفیہ ہے یعنی ہمزہ اس میں 'آ' سے ضم ہو کر ادا کیا جاتا ہے۔'آؤ' کا تلفظ aa-au بھی غلط علامتوں میں ہے (aa-o) ہونا چاہیے۔اسی طرح 'آئے' aa-ye ہو گیا ہے۔اس میں یے کا تلفظ نہیں ہوتا (آ۔اے) 'آیا سمجھو رجانو' کے لیے لکھا ہے 'دیکھیے آئے کا آیا'۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔'آیات متشابہات' کا اندراج تو کیا ہے، مگر 'آیات محکمات' کو چھوڑ دیا ہے۔'آئندہ' کو 'آیندہ' یوں تو صحیح لکھا ہے مگر 'ی' کی جگہ ہمزے کا اصول طے کیا ہے یہاں بھی ہمزہ لکھنا چاہیے تھا کیوں کہ تلفظ مؤلف نے 'آ۔اِن۔دہ' ہی کیا ہے۔'آیہ' بمعنی 'آیت' اردو میں غیر مستعمل ہے۔

'اب تو' کے اندراج میں ت پر زبر لگا کر 'تو' (واو مجہول طویل) کو واو لین سے تلفظ کیا ہے۔اسی طرح 'اب سے' میں 'سے' پر زبر لگا کر یائے مجہول طویل کو یائے لین میں بدل دیا ہے۔ یہ صورت جگہ جگہ لغت میں درشن کراتی اور تلفظ میں اعجوبگی کا سبب بنتی ہے۔لفظ 'اسمگل' کو باب سین میں شامل کرنا بھی عجیب ہے۔ صوتی لغت کا بڑا اختصاص یہ ہے کہ اس میں اردو صوتیوں کے علامتی خاکوں کے ذریعے لفظوں کا تلفظ بتایا گیا ہے، مگر اکثر مقامات پر علامتی تلفظ کے ساتھ وضاحتی تلفظ بھی شامل کر دیا ہے مثلاً 'ابّا' کا تلفظ ab-baa اور 'بفتحہ اول و بہ تشدید فتحہ ثانی' کے فقرے سے بھی بتایا ہے۔کہیں کہیں ہجائی تلفظ بھی نظر آتا ہے: 'ابتر' (اَب۔تَر) ایسا کیوں کیا گیا ہے، اس کی توجیہ لغت میں کہیں نظر نہیں آتی۔

---

۸ کے نشان کے تعلق سے مؤلف نے لکھا ہے کہ اسے نیم مصوتے یا حرف صحیح کو پہچاننے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔یہ بالکل مبہم بات ہے۔نیم مصوتے (واو۔یے)اور حرف صحیح دونوں کی شناخت کے لیے ایک ہی علامت کیسے کام میں لائی جاسکتی ہے۔مؤلف نے واو اور یے پر ہر جگہ یہ نشان ضرور لگایا ہے مگر ایسا کرنا علمی یعنی لسانیاتی طور پر لا حاصل ہے۔اس نشان کے بغیر بھی واو۔ یے کو پہچانا اور ادا کیا جاسکتا ہے۔'یے' کے باب میں 'یاد' کے معنی 'کسی کو رٹنا' بڑے عجیب ہیں۔'یاد ش بخیر' کے معنی میں فقرہ 'گزرے ہونے کا زمانہ کا ذکر' بے معنی ہے۔'یاسین' کی معنوی وضاحت میں کہتے ہیں:

''یہ سورت جانکنی کے وقت بیمار کے پاس پڑھتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے جانکنی کی تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔''

گویا سورۂ یاسین کا پڑھنا کوئی دوا ہے جبکہ سکرات رجانکنی میں مبتلا ہر

مسلمان کے پاس یہ سورہ پڑھنے کا رواج ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ موت آسان ہوجائے۔

'یاک' کے معنی 'تبّتی بیل' تو لکھے ہیں، ساتھ ہی 'پہاڑی بکرا' بھی لکھ دیے ہیں جو غلط ہیں۔ 'یاوہ' اردو میں کوئی آزاد لفظ نہیں۔ صرف ایک مرکب 'یاوہ گوئی' میں یہ آتا ہے اس لیے اسی دوسرے لفظ کا اندراج کرنا چاہیے تھا جو نہیں کیا گیا ہے۔ 'یک شنبہ' کے معنی 'اتوار کا دن' لکھے ہیں گویا 'اتوار کی رات' کا بھی کوئی نام ہے؟ اسے صرف اتوار لکھنا چاہیے تھا۔ 'یک فنی' کے معنی 'بے نظیر/فن کا کامل' سے زیادہ 'صرف ایک فن کا ماہر' صحیح ہے۔ 'یک گونہ' کے معنی 'کسی قدر' غلط اور 'ایک طرح سے' مبہم ہیں۔ 'یکا' اور 'یکہ' ہم معنی نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف نے بتایا ہے۔ 'ایک گھوڑے کی گاڑی' کے لیے 'یکا' اور 'تنہا' کے لیے 'یکہ' استعمال کیا جاتا ہے، 'آصفیہ' میں ایسا ہی ہے اور یہ دوسرا لفظ مشدد (ک پر تشدید) بھی نہیں۔ 'یگانہ' کے ترادف میں 'یگان' نامانوس اور غیر مستعمل ہے۔ 'یل' (یے پر زبر) کو 'پھلیل/نکیل' سے جوڑ دیا ہے جس سے ان لفظوں کا تلفظ 'پھل۔یَل/نک۔یَل' ہوگیا ہے جبکہ یہ 'پھلے ل۔ نکے ل' ہے۔ یہی لاحقہ 'کڑیل/اڑیل' کی مثالوں میں بھی موجود ہے جہاں اس کا تلفظ 'کڑ۔یل/اڑ۔یل' ہے۔ اس لاحقے کو دو بار اندراج بنانا چاہیے تھا تا کہ اس کے دو مختلف تلفظ بتائے جاسکتے۔ 'برکت/سعادت' وغیرہ کے معنی میں 'یمن' کا تلفظ 'یَ۔مَن' نہیں 'یُم ن' ہے۔ 'یوحنا' حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری کا نام ضرور ہے، لیکن وہ آپ کے خالہ زاد بھائی نہیں تھے بلکہ حضرت یحییٰ (ان کا نام بھی توریت میں یوحنا ہی آیا ہے) آپ کے ماموں تھے۔ 'یوحی' (ایک قسم کا سانپ) کا املا 'آصفیہ' میں 'یوہا' ہے۔ 'یوروپ' اردو املا اور تلفظ نہیں، 'یورپ' ہے۔ 'یوریشین' کا تلفظ 'یوری شیَن' نہیں، 'یورے شن' ہے۔ 'جمعہ' کا اندراج کرنے کے بعد 'یوم الجمعہ' کا اندراج غیر ضروری ہے کیونکہ یہ اردو میں مستعمل نہیں۔ 'یوم' کا تلفظ بھی 'یوگ' کے تلفظ جیسا ہرگز نہیں۔ پہلے لفظ میں واو لین اور دوسرے لفظ میں واو مجہول مفرد طویل کا مصوتہ پایا جاتا ہے (بالترتیب 'قوم' اور 'گول' کے تلفظ کی طرح)

ہر باب کی ابتدا میں یہ لغت اردو کی بنیادی اصوات کا لسانیاتی/صوتیاتی تعارف بھی کراتی ہے۔ الف ممدودہ (آ) کے تعلق سے اس میں لکھا ہے:

''اسے تلفظ کرتے وقت ہونٹ قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔''

'آ' کی ادائیگی میں ہونٹوں کو پھیلا ہوا بتانا خاصا مبہم ہے۔ ہونٹوں کا یہ پھیلاو افقی ہے یا عمودی یعنی وہ دائیں بائیں پھیلتے ہیں کہ اوپر نیچے؟ عملی طور دیکھیں تو 'آ' کہتے وقت ہونٹ اوپر نیچے کے خط میں کھلتے ہیں، انھیں پھیلا ہوا نہیں کہنا چاہیے کیوں کے ہونٹ 'اے' کہتے وقت پھیلتے ہیں۔ مؤلف کا بنایا ہوا حروف علت (لسانی اصطلاح میں مصوتے) بتانے والا خاکہ زبان پر اس مصوتے کے نقطے کو ظاہر نہیں کرتا اور نہ مصوتوں کی وضاحتی فہرست میں 'آ' کا تعارف پایا جاتا ہے۔

'اَ' مصوتے کے لیے بھی لکھا ہے:

اس آواز کو تلفظ کرتے وقت ہونٹ قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

طبعی لسانی طور پر یہ ممکن نہیں کہ 'آ' اور 'اَ' دونوں آوازوں کی ادائیگی کے وقت ہونٹ قدرے پھیلے ہوئے ہوں۔ 'اَ' کہہ کر دیکھ لیجیے، ہونٹوں کے پھیلاؤ کا ابہام کھل جائے گا۔ دراصل 'اَ' کی ادائیگی کے وقت ہونٹ فطری کھلی ہوئی حالت میں ہوتے ہیں۔ 'اَ' اور 'آ' دونوں پچھلے مصوتے ہیں یعنی ان کی ادائیگی کے نقطے زبان کے پچھلے حصے پر واقع ہیں۔ مؤلف نے 'آ' کو اگلا مصوتہ غلط لکھا ہے۔

حرف ث کے متعلق کہتے ہیں:

یہ عربی سے مخصوص ہے اور اس کی آواز دوسری زبان میں نہیں ملتی۔

اطلاعاً عرض ہے کہ /ث/ صوتیہ اپنی خاص عربی خصوصیت کے ساتھ انگریزی میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً الفاظ thin، author اور cloth میں 'th' ٹھیک عربی کا /ث/ ہے (جسے ہندوستانی انگریزی میں /تھ/ بنا دیا جاتا ہے) چونکہ مؤلف اس صوتیے کی انفرادیت کو نہیں مانتے اس لیے انھوں نے اس کا تلفیظی مخرج /س/ کے مخرج کو قرار دیا ہے یعنی /ث/ اور /س/ دونوں ایک ہیں۔ علمی نکتے سے راقم الحروف اس بات کو صحیح نہیں مانتا۔

/ج/ کے تعارف میں ایک لفظ 'لہاثی' آیا ہے جو اردو تو کیا، عربی وغیرہ میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس کا مترادف اس سے پہلے آنے والا لفظ ہے یعنی 'مسوڑی' جو 'مسوڑا' سے مشتق ہے مگر یہ نہایت برا اشتقاق ہے۔ لسانیات کے اور ماہرین اسے 'لثوی' کہتے ہیں اور یہی مناسب ہے۔ /چ/ کو بھی انھیں صفات 'مسوڑی/لہاثی' سے واضح کیا ہے۔ /ح/ کو حلقی رگڑ دار مصمتہ لکھا ہے مگر یہ رگڑ دار نہیں، صفیری ہے (مؤلف اردو میں اس کے وجود کے قائل نہیں بلکہ وہ اسے /ہ/ سے مشابہ سمجھتے اور بتاتے ہیں) /ذ/ کے بارے میں مؤلف کا دعوا ہے کہ یہ آواز کسی اور زبان میں نہیں ملتی، مگر انگریزی میں /ث/ کی طرح /ذ/ بھی موجود ہے اور th ہی سے اسے ادا کیا جاتا ہے مثلاً this، although اور with میں (ہندوستان میں یہ آواز /د/ بن جاتی ہے) انگریزی میں /ث، ذ/ ایک ہی مخرج سے ادا کیے جاتے ہیں۔

/ز/ صوتیہ جو مؤلف کے مطابق /ذ، ض، ظ/ کی ذیل میں آتا ہے۔

منہ سے خارج ہونے والی ہوا کو زبان کی سطح پر رگڑ لگاتے ہوئے اس کی بغلوں سے خارج کرتا ہے۔

یوں تو /ز/ کی ہوا کا زبان کی 'بغلوں' سے خارج ہونا ایک مضحک تصور ہے، لیکن حقیقت ایسی بالکل نہیں بلکہ /ز/ کی ہوا اوپری مسوڑوں اور زبان کی نوک کی درمیانی درز سے خارج ہوتی ہے (کر کے دیکھا جاسکتا ہے) 'مسوڑی' کو پہلے 'لہاثی' لکھا تھا، اب اسے 'لثاہی' کر دیا ہے (دراصل لثوی) /س/ کے تعارف میں ایک تیسرا اشتقاق 'لثائی' بھی ملتا ہے۔ یہ ساری گڑبڑ پروف کی تصحیح نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ /ش/ کے تعارف میں صوتیے کی ایک نئی صفت ملتی ہے یعنی 'غشائی'۔ یہ

لفظ 'غشائی' ہے بمعنی 'غشا' سے تعلق رکھنے والا/حلق میں حنجرے کے اطراف کا عضوی حصہ، اس لیے/ش/غشائی نہیں، لثوی تالوئی ہے۔/ض/کے تحت لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ آواز اور کسی زبان میں نہیں پائی جاتی سوائے عربی۔ البتہ مؤلف کا یہ خیال محل نظر ہے کہ/ض/ذال کی آواز کے مترادف ہے۔ آپ تو /ذ/کو بھی /ز/ سے مشابہ بتاتے ہیں پھر/ض/کیسے /ذ/ سے مشابہ ہوگیا؟ آپ کے مطابق تو یہ بھی/ز/کی ایک صورت ہے۔/ظ/کو بھی/ذ/کا نمائندہ بتایا ہے اور غلط بتایا ہے کیوں کہ آپ کے خیال میں یہ/ز/سے مشابہت رکھتا ہے۔

/ع/کو مؤلف الف سے مشابہ بتاتے ہیں پھر بھی انھوں نے اس کے لیے 'ا' یعنی a سے الگ ایک علامت وضع کی ہے یعنی انگریزی سوالیہ نشان (?) جو بین الاقوامی صوتی ابجد میں اردو سوالیہ نشان جیسا ہے اور جس کے نیچے نقطہ نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق لکھا ہے:

''یہ تلفظ میں اپنے آگے پیچھے آنے والے حرف علت سے ضم ہوجاتا ہے۔''

اس کے آگے (یعنی پہلے) تو 'ع' سے شروع ہونے والے لفظ کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ چاہیے جو الف، واو، یے پر ختم ہو جیسے جملہ 'کیا عام آدمی ایسا ہی ہوتا ہے؟' میں 'کیا' کا الف اور 'عام' کی عین ایک دوسرے میں ضم ہوجاتے ہیں۔ یہ محض مؤلف کا صوتی التباس ہے۔ ایسا کچھ ہوتا تو 'کیا عام' کے تلفظ میں صوتی خلا نہیں آتا (اسے 'کیام' تلفظ نہیں جاتا) عین الف وصل کی طرح ضرور عمل کرتی ہے، مگر اس کے پہلے 'کیا' کی طرح مصوتہ نہیں، مصمتہ ہونا چاہیے جیسے مصرع:

ہم عاصیوں کی نمازیں قبول ہوجاتیں

میں پہلے دو لفظ 'ہماصیوں' کی طرح ادا ہوتے ہیں۔

/ف/کے تلفظ میں کہتے ہیں:

نچلے ہونٹ اور اوپری دانت کے کنارے قدرے نالی بناتے ہیں۔

مگر/ف/کی ادائیگی میں نالی نہیں، درز بنتی ہے۔ یہ صوتیہ اسی درز کے مخرج سے ادا کیا جاتا ہے۔ مؤلف نے 'نچلے ہونٹ اور اوپری دانت' کے لیے/ف/کا جو مخرج بتایا ہے، وہ انگریزی/ف/کا مخرج ہے۔ اردو میں یہ عام طور پر ہونٹوں کے درمیان بننے والی درز کے مخرج سے ادا کیا جاتا ہے۔ مؤلف نے/ق/کو عربی سے مخصوص کیا اور اسے حلقی صوتیہ بتایا ہے جبکہ یہ حلقی نہیں لہاتی صوتیہ ہے۔ اسی طرح/ہ/لہاتی نہیں، حلقی صوتیہ ہے۔

'اردو کی صوتی لغت' پوری طرح صوتی لغت (Phonetic dictionary) نہیں ہے۔ اس کا بڑا تکنیکی مواد عام لغت نویسی کی ذیل میں آتا ہے اس لیے مؤلف کے انتخاب الفاظ اور الفاظ کے معانی ومطالب بیان کرنے کے طریق کار پر یہاں چند معروضات پیش ہیں اور وہ یہ کہ 'فرہنگِ آصفیہ' سے منتخب لسانی متن کو اندراج بنانے کے علاوہ مؤلف نے یقیناً اردو کے دوسرے لغات سے بھی استفادہ کیا ہے چنانچہ:

آب آہن، آب آہن تاب، آب ارغوانی، آب انگور، آب بقا، آب پیکاں، آب چشم، آب حرام، آب حیات، آب خدنگ، آب خضر، آب رحمت، آب رواں، آب زر، آب سرخ، آب سیاہ، آب گریہ، آب گلرنگ، آب گوہر، آب ندامت آب نیساں اور ابر آذرمی، ابر بہمنی، ابر حر، ابر تنک، ابر تیرہ، ابر تیغ، ابر رحمت، ابر سیاہ، ابر غلیظ، ابر قبلہ، ابر کرم، ابر گوہر بار، ابر محیط، ابر مردہ۔

وغیرہ وغیرہ جیسی شعری تراکیب لغت میں جگہ جگہ بار پائی نظر آتی ہیں۔ لسانی اور معنوی نکات سے ایسی شعری لفظیات کی اپنی اہمیت ضرور ہے، لیکن یہ کسی صوتی لغت میں شمولیت کا اتنا حق نہیں رکھتی جتنا کہ عام استعمال کا ذخیرۂ الفاظ یہ حق رکھتا ہے۔ مذہبی، علمی، سماجی اور سیاسی وغیرہ لفظیات کو بھی اس لغت کا لازمی حصہ بنایا گیا ہے، لیکن اکثر ثقیل، نامانوس اور غیر مستعمل الفاظ بھی عام لسانی تعملات سے جھانکتے نظر آتے ہیں مثلاً باب الف سے ماخوذ یہ الفاظ:

آبادان، آحاد، آخوند، آدھین، آدینہ، آرے، آز، آسن پائی، آسیاب، آغشتہ، آفندی، آلنگ، آنٹ، آنڈی، آنندی، اباطل، ابجل، ابلان، ابنیہ، ابوّت، اپانا، اتارگی، اتقان، اثقل، اجانب، اجت، اَجلّہ، اَجوت، احادث، احب، احداث، احداق، احزم، احساس، احسان، احیاز، احیان، اخاذ، اخبث، اخص، اخصاص، ادائی، ادائیات، ادخنہ، ادراج، ادرار، ادوات، ادھیاے، اذواق، ارابہ، ارجاع، ارزاق، ارزش، ارشق، ازدیاد، ازمان، اسارت، اسافل، استاکار، استبصار، استحقاف، استدقاق، استصلاح، استعلاج، استعمالت، استمراج، اشہاد، اضحیہ، اضحیٰ، اَضراب، اِضراب، اعدال، اعقاب، افادت، الباب، اِمنیت، ان ہوت، انابیب، انبوب، اندروار، اندک، اندو، انفنٹری، انقسام، انقضا، انوپ، انہزام، انیلا، انیلی، اوپ، اوپیرا، اوسر، اؤسر، اَوگن، اہاجی، ایلول، ای من، ایمہ

ان میں بہت سے انگریزی اور ہندی وغیرہ الفاظ بھی آتے ہیں پورے صوتی لغت میں ایسی بے تفہیم آوازوں کی کثرت ہے۔ بعض مقامات پر معلوم ہوتا ہے کہ ان لفظوں کو اندراجات کی ترتیب برقرار رکھنے کے لیے شامل کردیا گیا ہوگا۔ ایک مختصر مقالے میں بارہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ذخیرۂ الفاظ کا جائزہ لینا ممکن نہیں۔ آخری بات، ''ا۔ہ' کے اندراجات میں لفظ 'اہل' کو ہر جگہ ایہل (اہل) لکھا گیا۔ تلفظ میں بھی 'اِہ' (aih) دکھائی دیتا ہے۔ اس کا کوئی جواز اگر ہے تو اسے فی بطن مؤلف سمجھنے میں کوئی حرج نہیں۔

معانی ومطالب کی توضیح میں مؤلف کا اسلوب دوٹوک بات کرنے کے مترادف ہے۔ انھوں نے ہر جگہ ایجاز واختصار سے کام لیا ہے، مگر اکثر مقامات پر یہ ایجاز اشارت بن کر رہ گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

آبادی: بستی معمورہ، کسی گاؤں شہر ملک یا ملک کے حصے میں بسنے والے افراد اور ان کی تعداد۔

بستی میں آبادی ضرور ہوتی ہے، لیکن آبادی صرف بستی نہیں۔ بنجاروں کا ٹولا جنگل میں کہیں بھی ٹھہر کر اسے آبادی بنا دیتا ہے پھر آبادی بنانے والے افراد کی تعداد کو معنی میں بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی، 'افراد' میں تعداد بھی شامل ہوتی ہے۔ 'معمورہ' جسے یہاں 'آبادی' کے معنوں میں دیا گیا ہے، یہ آبادی سے زیادہ مشکل لفظ ہے۔

ابر کرم: بادل کی طرح نہال کرنے والا، کرم اور سخاوت کی بارش کرنے والا، سخی، فیاض، رحمت، ابر رحمت

معنی کا فقرہ 'بادل کی طرح نہال کرنے والا، وہی اشارت ہے جس کا اوپر ذکر آیا، مگر اندراج 'ابر کرم' کے معنی اس فقرے سے واضح نہیں ہوتے۔ 'ابر کرم' اسم ہے، اس کے معنی 'سخی، فیاض'، صفت میں بتائے گئے ہیں، معنی بیانی کے اصول کے مطابق اسم کے معنی صفت سے نہیں بتائے جاتے۔ اگلے معنی 'رحمت، ابر رحمت' کے آتے ہیں۔ ان میں رحمت، ابر سے الگ لسانی تعمل ہے اس لیے ابر نہیں، اضافی ترکیب 'ابر رحمت' اندراج 'ابر کرم' کا مترادف ہے اس لیے معنی میں تکرار پیدا ہوگئی ہے۔

بعض نہایت حیران کن تلفظات بھی اس لغت میں سنائی دیتے ہیں مثلاً ایک لفظ ہے 'اعراف'۔ اسے ہر اردو داں شاید بالکل صحیح اور مستند طور پر تلفظ کر سکتا ہے بلکہ وہ مسلمان جو اردو نہیں جانتا، مگر اس نے قرآن سیکھا اور پڑھا ہے، وہ بھی اسے صحیح ادا کر سکتا ہے مگر پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خاں کے صوتی لغت میں اس لفظ کا تلفظ دنیا سے الگ بتایا گیا ہے یعنی اس میں الف پر زبر کی جگہ مؤلف موصوف نے پیش لگا کر اسے 'اُعراف' بنا دیا ہے۔ دوسرا ستم یہ کہ چونکہ وہ عین کی آواز کے قائل نہیں اس لیے اب یہ لفظ 'اُراف' بن گیا، انھوں نے علامتی تلفظ میں اسے u(?)-raaf ہی سے ظاہر کیا ہے (ص:۱۰۷) قوس میں دی گئی علامت (?) سے مراد یہ ہے کہ اسے ادا کرنا ضروری نہیں۔

صوتی لغت میں صوتی علامتی تلفظ لکھتے ہوئے بہت بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر لغت کی طباعت کے زمانے میں پروف کی اصلاح و تصحیح کا مرحلہ سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ زیر نظر لغت کے تعلق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پروف کی درستی پر زیادہ محنت نہیں کی گئی ہے اس لیے اب جو تلفظات جیسے بتا دیے گئے ہیں، اگر لغت بین نے ان پر اعتماد کر لیا تو نقصان میں رہے گا۔ دراصل 'صوتی لغت' کے مؤلف کو اتنا باشعور ہونا چاہیے کہ میں جو تلفظ بتا رہا ہوں، وہ مستند ہے، اسے سبھی معیاری تلفظ کے طور پر قبول کر لیں گے، مگر مصیبت یہ ہے کہ وہ سارے لغات جن میں کسی بھی تکنیک سے تلفظ کو ظاہر کیا گیا ہے، کبھی معیاری تلفظ پر متفق نہیں ہوتے۔ دراصل یہ نا مطابقت شمال اور جنوب اور ایک اور دوسرے لغت نویس کے خیالات کی نا مطابقت ہے۔ اسی لیے آج تک کوئی واقعی مستند لغت اردو میں سامنے نہیں آئی ہے، پھر صوتی اور تلفظ نما لغت کا معاملہ تو اور بھی پیچیدہ، سائنسی اور تکنیکی ہے۔

◆◆◆

ابن صفی: شخصیت اور فن کے آئینے میں

اردو ادب میں ابن صفی کی گراں قدر خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر ان کی خدمات کا اعتراف بہت کم ہوا ہے۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ تمام ذہنی تحفظات سے بلند ہو کر معروضی انداز میں ان کے ادبی مقام کا تعین کیا جائے تا کہ نئی نسلیں ان کی تخلیقی فتوحات سے واقف ہو سکیں اور ان کے لائق رشک طرزِ نگارش، غیر معمولی حسِ مزاح، ذہانت، ذکاوت اور حیرت انگیز زود نویسی کے باوصف فکر و فن کی تازگی کو برقرار رکھنے کی زبردست صلاحیت کا ادراک و احساس کر سکیں۔ ایسے ہر دلعزیز تخلیق کار کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے لیے اردو اکادمی، دہلی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سمینار کے بیس فکر انگیز مقالات پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے مفید مطلب بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی۔

مرتبین: خالد محمود، خالد جاوید صفحات: ۲۴۸، قیمت: ۱۵۰/روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی